© rasailojaraid.com

بزمِ مملوکیہ

از

(مولانا ابو محفوظ الکریم معصومی لکچرر تاریخ مدرسہ عالیہ کلکتہ)

فنِ تاریخ اور تاریخ نویسی کے متعلق عصری رجحانات اور بدلتے ہوئے ظروف واحوال کے تقاضوں کے پیشِ نظر آج اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی ہے کہ اپنے ملک کے اسلامی عہد کی تاریخ تمدنی، ثقافتی اور علمی وادبی نقطۂ نگاہ سے از سرِ نو مرتب کرکے پیش کی جائے۔ اور ان تمام تاریک پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے جو اگلے مؤرخین کے عام رجحانات کے مطابق فنِ تاریخ کے ثانوی ابواب سمجھے جاتے تھے۔

اس خاص سلسلہ کی تاریخی کتابوں کی تدوین کا کام بہت دشوار اور صبر آزما ہے جس میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے قلتِ مآخذ کے باوجود قدیم وجدید مطبوعات کی ایک معتدبہ تعداد کی مدقق گردانی سے گذر کر قلمی کتابوں کے سیکڑوں بلکہ ہزاروں صفحات سے جستہ جستہ فقروں کو جمع کرنا ضروری ہے پھر کہیں ان منتشر ریزوں کو قرینہ سے سجانا اور اور سلیقہ سے نظم دے کر بساطِ علم وتحقیق پر پیش کرنا ممکن ہوتا ہے۔

ملک کے وہ ادارے ہماری تحسین وآفریں کے واقعی حقدار ہیں جن کے رفقا اپنے ملک وقوم کی موجودہ پود اور آئندہ نسل کی خاطر سلف کی تاریخ کا مطالعہ اس زاویۂ نگاہ سے کرتے ہیں اور ان اوراقِ پارینہ کو اپنی محنتِ شاقہ کے ذریعہ نئی روشنی میں ترتیب دینے کی فکر میں مصروفِ عمل رہتے ہیں۔ مشہور علمی ادارہ دار المصنفین اعظم گڈھ (یوپی) کے لائحہ عمل میں اس قسم کے تاریخی سلسلوں کو نمایاں اہمیت حاصل ہے، چنانچہ علمی و ادبی تاریخ کے سلسلہ کی ایک قابلِ قدر کتاب بزمِ تیموریہ اسی ادارہ کی طرف سے شائع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو کر علمی حلقوں میں متعارف ہو چکی ہے۔ زیر بحث کتاب اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ جو اول الذکر کتاب ہی کے فاضل مؤلف جناب سید صباح الدین عبدالرحمن ایم۔ اے کے قلم سے نکلی ہے اور سالِ رواں میں دار المصنفین کی طرف سے منظرِ عام پر آئی ہے۔

کتاب میں عہدِ مما لیک ہند یعنی قطب الدین ایبک (۶۰۲ھ تا ۶۰۷ھ) کی تخت نشینی سے معز الدین کیقباد (۶۸۶ھ تا ۶۸۹ھ) کے عہدِ سلطنت تک کل چوراسی سال کی علمی و ادبی تاریخ، محققانہ پیرایۂ بیان میں پیش کی گئی ہے۔ اسی مناسبت سے کتاب کا نام بزم مملوکیہ رکھا گیا ہے۔

ٹائٹل پیج کے بعد ہی زیرِ بحث سلاطین اور ان میں سے ہر ایک کے عہدِ حکومت سے متعلق ذیلی عنوانات کی فہرست چھ صفحوں میں ملتی ہے۔ پھر کتاب کا پیش لفظ معروف صاحب قلم مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی کے قلم سے اور اس کے بعد خود مؤلفِ کتاب کا دیباچہ کل چھ صفحوں کو محیط ہے۔ اصل کتاب ۳۴۹ صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے اخیر میں ایک غلط نامہ بھی شامل ہے۔

کتاب کو پڑھ کر انصاف پسند طبائع کے لئے یہ باور کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ اسلامی ہند کے یہ تاجدار جن کی غلامانہ زندگی عظیم الشان سلطنتوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی تھی ان کی شخصیتیں کچھ ملک گیری و تیغ آزمائی ہی کے لئے وقف نہیں تھیں بلکہ علم و فن، حکمت و دانش، شعر و ادب کی سرپرستی، تمدنی و ثقافتی قدروں کے تحفظ و بقا اور ذہنی و دماغی ارتقار کے اسباب مہیا کرنے میں بھی غیر معمولی طور پر سرگرم کار رہی تھیں۔

کتاب کی ترتیب عام تذکروں اور طبقاتی کتابوں کے نہج پر نہیں ہے بلکہ سیاسی تاریخ کے اعتبار سے رکھی گئی ہے لہذا کتبِ تراجم کی طرح کسی ایک شخص کا مکمل تذکرہ ایک جگہ نہیں لکھا گیا ہے۔ کتاب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ شعرار کے کلام اور بعض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشہور مصنفوں نے اسلوبِ نگارش پر تبصرہ کرتے ہوئے مؤلف کے قلم سے ادبی مباحث و فوائد کے سلسلہ میں کارآمد باتیں نکل گئی ہیں۔ بہرحال دہلی کے مملوک سلاطین کے عہد میں قصرِ سلطانی سے نکل کر ایک طرف اچہ اور دوسری طرف لکھنوتی تک وزراء، امراء، والیانِ ملک اور اقطاعداروں کے درباروں میں علمی و ادبی بزم آرائیوں کی جو چہل پہل جس حد تک کہ مستند ماخذوں سے فاضل مؤلف کو معلوم ہو سکی ہے اس کی عکاسی بزمِ مملوکیہ کے صفحات میں کی گئی ہے۔

دار المصنفین کا نام کتاب کے مستند و معتبر ہونے کی ضمانت ہے۔ اس ادارہ کی دوسری کتابوں کی طرح زیرِ بحث تالیف بھی عصری طرزِ تحقیق پر لکھی گئی ہے اور تاریخی روایات کو قبول یا رد کرنے کے سلسلہ میں ممکنہ بحث و تمحیص سے کام لیا گیا ہے، لائق مؤلف کی کاوش و دقتِ نظر کا اعتراف کرنا ہمارا علمی و اخلاقی فریضہ ہے لیکن ان کی توجہ ان مواقع کی طرف مبذول کرانا ضروری ہے جہاں راقم آثم کو ان کی پیش کردہ تحقیق سے اتفاق نہیں ہو سکا۔

(۱) فاضل مؤلف نے قطب الدین ایبک کے درباری شعراء کے تذکرہ میں الصدر الاجل افتخار الملک افضل العصر جمال الدین محمد بن نصیر کا ذکر عوفی کی کتاب لباب الالباب کے حوالہ سے کیا ہے (ص ۱۱-۱۳) ان کو کامل یقین ہے کہ جمال الدین محمد کو ایبک کے دربار سے تعلق رہا تھا اور اس نے ایبک کی شان میں مدحیہ قصائد کہے تھے۔ اس سلسلہ میں اگر کوئی شہادت مؤلف کو ملی تھی تو اس کا ذکر کرنا اور ماخذ کا حوالہ دینا ضروری تھا۔ اور اگر انھوں نے یہ نتیجہ صرف عوفی کی لباب الالباب سے اخذ کیا ہے تو میں ان کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ عوفی کے بیان میں ایسا اشارہ بھی موجود نہیں جس سے یہ سمجھا جائے کہ ایبک کے دربار میں جمال الدین محمد کبھی رہا تھا یا اس نے ایبک کی شان میں قصیدہ خوانی کی تھی۔ عوفی نے اس شاعر کے جو اشعار نقل کئے ہیں وہ بھی کسی قسم کی داخلی شہادت مہیا نہیں کرتے۔ اس شاعر کے متعلق عوفی کے صرف یہ الفاظ ملتے ہیں جو سلاطینِ غور کے دربار سے شاعر کے تعلق کو ظاہر کرتے ہیں — "در دولت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملوک جبال قوی حال بود واز اقبال سلطان سعید با عیشے حمید روز گذاشت ۔ (لباب الالباب ج ا ص ۱۷۱) مؤلف نے اسی عبارت کا آخری فقرہ اپنے مندرج ذیل دعوی کے ثبوت میں نقل کیا ہے :

"قطب الدین ایبک نے جمال الدین محمد کے علم کی بھی پوری قدردانی کی اور اس کی التفات شاہانہ سے جمال الدین کی زندگی عیش و عشرت میں گذری"۔ (ص ۱۲)

مؤلف کے نظریہ میں عوفی نے "سلطان سعید" سے قطب الدین ایبک ہی کو مراد لیا ہے علی ہذا القیاس ان کے زعم میں وہ مدحیہ قصائد گویا ایبک ہی کی شان میں تھے جن کے منتخب اشعار عوفی نے شاعر کے ترجمہ میں درج کئے ہیں ۔ میرا خیال ذاتی طور پر یہ ہے کہ فاضل مؤلف نے جمال الدین محمد اور اسی طرح ظہیر الدین تاج الکتاب السرخسی (ص ۱۴) کا ذکر کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری کا احساس مطلق نہیں کیا ۔ السرخسی کے ذکر میں کسی حد تک ان کو انتباہ ضرور ہوا ہے لیکن جمال الدین محمد کی بابت تو ان کے بیان سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے نظریہ کی غلطی کا انھیں احساس نہیں ۔ راقم کے عقیدہ میں مرحوم محمد خاں بن عبدالوہاب قزوینی کی بات مسلّم ہے وہ "سلطان سعید" سے متعلق حواشی میں تحریر فرماتے ہیں ۔

"سلطان سعید یعنی سلطان غیاث الدین غوری . . . . ودر طبٔ (طبقات ناصری) نیز غالباً از سلطان غیاث الدین غوری بہ سلطان سعید تعبیر میکند واز برادر او سلطان شہاب الدین غوری بہ سلطان شہید" ۔ (دیکھو لباب الالباب تعلیقات میرزا محمد قزوینی ص ۳۲۶) قزوینی کا عندیہ قوی قرینہ پر مبنی ہے چنانچہ جمال الدین محمد کے بعد ہی عوفی نے فرید الکاتب کے ترجمہ میں غیاث الدین غوری کو "سلطان سعید" کہا ہے (لباب ج ا ص ۱۲۱) پھر فخر الدین مبارک شاہ مرورودی کے تذکرہ میں اس کا اعادہ کیا ہے (لباب ج ا ص ۱۲۶) عوفی نے صریح لفظوں میں فرید الکاتب اور جمال الدین محمد کے درمیان مکاتبہ و مشاعرہ کا ذکر کیا ہے ۔ غرض قرین صواب تنہا یہی شق ہے کہ جمال الدین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محمد کے ترجمہ میں سلطان سعید سے غیاث الدین غوری کو اور سلطان شہید سے شہاب الدین غوری کو مراد لیں نہ کہ قطب الدین ایبک کو اس کے بعد بزم مملوکیہ کے صفحات میں جلال الدین محمد کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

(۲) امام صاغانی کا ذکر جس تفصیل سے کیا گیا ہے (ص ۲۹ - ۴۳) اس کا تقاضہ یہ تھا کہ چند دوسرے مآخذ سے بھی استفادہ کیا جاتا اس طرح مؤلف کے بیان میں زیادہ جامعیت پیدا ہو جاتی ہیں یہاں جن ماخذوں کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں ان میں سے یاقوت کی ارشاد الاریب (گب میموریل و دار المامون مصر) ابن ابی مخرمہ کی تاریخ ثغر عدن (طبعۂ اوسکر لوفغرین)، الکتبی کی فوات الوفیات (النہضہ، مصر) اور ابن الفوطی کی کتاب تلخیص مجمع الآداب فی معجم الالقاب (اورنٹیل کالج میگزین، شیرانی نمبر) کو خاص طور پر اہمیت حاصل ہے۔ یاقوت خود صاغانی سے ملا تھا اس کے مختصر بیان میں بعض مفید اطلاعات درج ہیں (ج ۹ ص ۱۸۹ مصر) ابن الفوطی کو بھی امام کی رویت کا شرف حاصل ہے لیکن وہ کم عمر تھا پھر بھی اس کا دعویٰ ہے کہ صاغانی سے اس کو جملہ مصنفات و مرویات کی اجازت ملی تھی (تلخیص مجمع الآداب ص ۵۶) اسی طرح الکتبی کی اختصار پسندی کے باوجود اس کو نظر انداز کرنا صحیح نہیں۔ ابن ابی مخرمہ کی تاریخ میں زیادہ تفصیل ملتی ہے۔ لیکن اس نے تاریخ وفات ۶۶۵ھ بتائی ہے جو ناقابل تسلیم ہے اسی تاریخ میں قاضی مجد الدین الصدیقی کی سند صاغانی تک نقل کی گئی ہے جس سے امام موصوف کے نسب نامہ میں علی کے والد کا نام معلوم ہوتا ہے یہ واضح رہے کہ عام طور پر صاغانی کا نسب نامہ علی پر ختم کر دیا جاتا ہے۔ قاضی مجد الدین دو واسطوں سے صاغانی کے شاگرد ہیں ان کی سند تصانیف ابو داؤد سجستانی کی اجازت سے متعلق ہے سند میں صاغانی کا ذکر اس طرح آیا ہے...... الشیخ الامام الصالح ابو الفضائل الحسن بن محمد بن الحسن بن حیدر بن علی بن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسمعیل القرشی العدوی العمری الصغانی الخ (تاریخ ثغر عدن ج ۲ ص ۵۳ لائیڈن ۱۹۳۶ء)

یاقوت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سنن ابی داؤد کی بے نظیر شرح معالم السنن اور اس کے جلیل القدر مؤلف الخطابی سے صاغانی کو بڑی عقیدت تھی، عدن میں ان کا خاص مشغلہ اس کتاب کا درس دینا تھا، خطابی کی نسبت اکثر یہ جملہ فرمایا کرتے تھے: اِنَّ الخطابی جمع لھذا الکتاب جرامیزہ - اس کے علاوہ ابو عبید القاسم بن سلام کی کتاب غریب کو حفظ کرنے کی ترغیب اپنے تلامیذ کو دلاتے، وہ خود بھی اس کتاب کے حافظ تھے - یمن کا سفر کئی بار کیا، یاقوت کے بیان سے ظاہر ہے کہ حج سے مشرف ہونے کے بعد ۶۱۰ھ میں عدن پہنچے دوبارہ ۶۱۳ھ میں حرمین کی زیارت کی اور یمن کو لوٹ آئے صحیح واقعہ یوں ہے کہ ۶۱۳ھ کے بعد ہی شاید پہلی دفعہ بغداد پہنچے یہاں سے خلیفۂ وقت (الناصر ۶۲۲ھ) کی طرف سے سندھ جانے پر مامور ہوئے اس سفر کی تاریخ الھونی نے العباب الزاخر میں ۶۱۴ھ بتائی ہے - (معارف ج ۶۹ ع ۲ ص ۲۲۵) اسی سفر میں ان کو دوبارہ یمن سے گذرنے کا موقع ملا ہوگا جس کا ذکر یاقوت نے کیا ہے - ابن ابی نخر اور ابن الفوطی کے یہاں ورودِ بغداد کی تاریخ ۶۱۵ھ ہے جس کے بعد ابن الفوطی کے بیان کے بموجب ان کو پیام دے کر بادشاہ ہند کے پاس بھیجا - اس موقع پر بغداد سے نکل کر دوبارہ خلیفہ المستنصر کے عہد (۶۲۳ھ) سے پہلے نہیں لوٹے - بہر حال یمن کئی بار گئے اور ان کا قیام زیادہ تر عدن میں رہا جہاں طلابِ علم کو درس دینے کے علاوہ کئی نسخے صحیح بخاری کے اپنے قلم سے لکھ کر وقف کئے ان کی مجلس تحدیث الوزیر یاسر بن بلال کی تعمیر کردہ مسجد میں منعقد ہوتی تھی جو مسجد ابن البصری کے نام سے مشہور ہو گئی تھی -

صغانی کے ممتاز تلامذہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے نام عام طور پر مشہور نہیں مثلاً ابو اسحق ابراہیم بن ادریس الازدی السُردری نے صغانی سے ان کی جملہ مرویات کو اخذ کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(تاریخ ثغر عدن ج ۲ ص ۲) قاضی ابراہیم ابن محمد القریظی نے الخطب النباتیہ کی اجازت حاصل کی (الیضاح ۲ صـ۹۱) ابو الربیع سلیمن ابن الفقیہ بطال محمد الرکبی مختص تلامذہ میں تھے (الیضاح ۲ صـ۹۷) ابو الربیع مذکور کے والد فقیہ بطال صغانی کے ہمسر تھے ہر ایک نے دوسرے سے اخذ کیا (الیضاح ۳ صـ۲۰۰) محمد بن الحسن التیمی الفارسی نے لغت کا فن حاصل کیا (الیضاح ۳ صـ۲۰۹) منصور بن حسن بن منصور الفرسی نے مقامات حریری اور دوسری کتابیں پڑھیں (الیضاح ۳ صـ۲۳۶) احمد بن علی السُردری نے ۶۳۰ھ کے بعد جب صغانی کا ورود تعز میں ہوا تو اخذ علم کیا اور احمد بن محمد بن عمر بن اسمٰعیل الشہر زوری کو بھی تلمذ کا شرف حاصل تھا جنہوں نے صغانی کے مرثیہ میں یہ ابیات کہے

اقول واشمل فی ذیل النویٰ عثرا ــــ الخ

صغانی کے کلام کا جو نمونہ سیوطی کی بغیۃ الوعاۃ میں ملتا ہے اس کے علاوہ یاقوت کی ارشاد الاریب میں چار اشعار ہیں جن پر اپنی تالیف مناسک الحج ختم کی تھی:

شوقی الی الکعبۃ الغراء قد زادا ــــ الخ

احمد بن علی السردری کے حوالہ سے الجندی نے دو شعر درج کیے ہیں: تعلمت اسباب القناعۃ یافعا ــ الخ

ابن ابی مخرمہ نے الخزرجی کے حوالہ سے ایک پورا قصیدہ نقل کیا ہے جو ۹۰ ابیات پر مشتمل ہے، یہ قصیدہ ابن ابی مخرمہ کے عہد ہی میں عزیز الوجود ہو چکا تھا اسی کا مطلع ہے:

أنسانی الدهر أعطانی وأوطانی ‌ ‌ ‌ ‌ وحطنی وروها والخسف أوطانی

قصیدہ میں صاغانی اپنی سرگذشت حیات کی طرف اشارات کرتے ہیں ہند، سند، مکران کا ذکر کرتے ہیں لیکن لاہور، بدایوں یا غزنہ کا ذکر نہیں کرتے قصیدہ کے آخری ابیات میں ایک جگہ اپنا عمری ہونا واضح کرتے ہیں:

فقلت یا دهر سالمنی مسالمة ‌ ‌ ‌ ‌ فاننی عمری ثم صاغانی

فوائد الفواد کی روایت میں صغانی کا تعلق غیر مبہم طور پر بداؤں سے ثابت ہے لیکن اسے مولد قرار دینے کے لئے روایت کے الفاظ کافی نہیں ہیں جیسا کہ مؤلف کا خیال ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(صلا۳)۔ فوائد الفواد کی یہ روایت بلاشک امام صغانی ہی سے بحث کرتی ہے اور حسن سجزی کی مسامحت کا جو احتمال ظاہر کیا گیا ہے اسے تسلیم کرنے کو راقم آمادہ نہیں۔ سجزی کے قربِ زمانی کو دیکھتے ہوئے ان کی طرف تخلیط کی نسبت قرینِ قیاس نہیں اگر صاحب نزہۃ الخواطر فوائد الفواد کے رضی الدین صغانی کا ذکر زیر بحث صغانی کے ترجمہ سے علیحدہ کرتے ہیں تو اس سے حسن سجزی کے بیان کو مشتبہ قرار دینا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔

صغانی کی تصانیف کو شمار کراتے ہوئے مؤلف نے لکھا ہے:— "حدیث میں ان کی اور دوسری تصانیف یہ ہیں۔ التکملہ علی الصحاح، یا التکملہ والذیل والصلہ، الدار(؟) الملتقط فی تبیین الغلط، رسالہ فی الاحادیث الموضوعہ" الخ (صلا۳)

التکملہ علی الصحاح کے نام سے مؤلف کو سخت دھوکا ہوا ہے صحاح کے لفظ سے ان کا خیال یقیناً حدیث کے مشہور مجموعے صحاح ستہ کی طرف منتقل ہو کر رہ گیا اور وہ سمجھ رہے ہوں گے کہ حدیث کی کتب ستہ کے تکملہ کے طور پر امام صغانی کی یہ تالیف ہوگی۔ گو کہ لفظ صحاح سے اولاً انہی کتابوں کی طرف انتقالِ ذہن ہوتا ہے لیکن یہاں اس سے صحاح اللغۃ وتاج العربیۃ للجوہری مراد ہے جو لغتِ عرب کی معروف ومتداول کتاب ہے۔ امام صاغانی کی کتاب فنِ لغت میں جوہری کی مذکورہ کتاب کا تکملہ ہے انہی کا نام الذیل والصلہ بھی ہے ابن ابی مخرمہ کا بیان ہے:

"وھما کتابٌ واحد ذکر فیہ ما اھملہ الجوھری فی صحاحہ وجعلھما الخزرجی کتابین"

اس ضخیم تالیف کے معتبر نسخے مصنف کی زندگی کے لکھے ہوئے بلادِ اسلامیہ کے بعض کتب خانوں میں محفوظ ہیں:— (تاریخ ثغر عدن ج ۲ صلا۵)

الدر الملتقط کا موضوع بے شک حدیث ہے لیکن رسالہ فی الاحادیث الموضوعہ کوئی علیحدہ کتاب نہیں ہے یہ ایک رسالہ ہے جس میں موضوع اور جعلی حدیثوں پر بحث ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا پورا نام کتاب الدر الملتقط فی تبیین الغلط ونفی اللغط فی الاحادیث الموضوعہ ہے۔

لغت میں صغانی کی سب سے زیادہ ضخیم کتاب العباب الزاخر واللباب الفاخر ایک بے مثل کتاب سمجھی گئی ہے جو ادھوری رہی تھی، مؤلف نے یہ تصریح نہیں کی ہے کہ یہ کتاب ناتمام رہی اور مادہ "بکم" تک پہنچے تھے کہ صغانی کی شمع حیات گل ہو گئی۔ یہ کتاب آخری عباسی خلیفہ المستعصم کے وزیر مؤید الدین ابن العلقمی کے خزانہ کے لئے لکھی گئی تھی اس کی پہلی جلد دار الکتب المصریہ میں محفوظ ہے ایا صوفیا اور کوپرلو میں اس کی مختلف جلدیں باقی ہیں، یہ واضح رہے کہ صغانی کے جسم میں اخیر عمر میں رعشہ پیدا ہو گیا تھا چنانچہ اپنے قصیدہ میں فرماتے ہیں:

فصار سھمی فی شیبی وفی کبری وفی ارتعاشی بعد الاول الثانی

اس غیر اختیاری حالت میں بھی ان کا قلم برابر رواں رہا کیا اور خط پر رعشہ کا جیسے کوئی اثر نہیں پڑا ان کا خط ضبط واملائی خصوصیات کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کا مانا گیا ہے مجلہ معارف کے محولہ بالا صفحہ سے واضح ہو گا کہ امام موصوف الفاظ کے ضبط میں کس حد تک اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

بعض کتابوں کے نام محرف یا ادھورے ہیں مثلاً توشیح الدریدیہ کا صحیح نام نظم القلادۃ السمطیۃ فی توشیح الدریدیہ ہے، اسی طرح التراکیب، کتاب تراکیب مجمع البحرین اور الذئب کتاب اسماء الذئب ہے؛

(۳) تاج الدین ریزہ کی مشتبہ نظم سلطان رضیہ کی شان میں جس کے متعلق بقول مؤلف پروفیسر شیرانی مرحوم کو تردد لاحق رہا پھر اپنے اخیر نوشتہ میں گویا انھوں نے اسے تاج ریزہ ہی کا کلام قرار دیا (ص ۱۱۸-) اسی نظم کے متعلق میری گذارش درج ذیل ہے۔ یہ بات مؤلف تسلیم کرتے ہیں کہ زیر بحث نظم کلیات انوری کے نسخوں میں شامل ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور خود حافظ محمود شیرانی مرحوم نے ایک معتبر نسخہ میں اس نظم کو پایا تھا۔ لیکن ان کے نسخہ میں مخاطب کا نام "کریمۃ النساء رضیۃ الدین" تھا اور مؤلف کے پیش نظر نسخہ میں "صفوۃ الدین مریم"۔ میری نظر سے بھی ایک معتبر نسخہ گذرا ہے جس میں سرخی کی جگہ خالی رہ گئی ہے لیکن اشعار میں "کریمۃ النساء" کے بجائے "زبدۃ النساء" کے الفاظ ہیں ابیات اس طرح ہیں :

سلطانت کہ زبدۃ النسا خوانند — شد ذات شریف تو مکرم

راضی ز تو اے رضیۂ دین — جبار تو (؟) ذوالجلال اکرم

شعر میں صرف "رضیۃ الدین" یا "رضیۂ دین" کے الفاظ کی بناء پر یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ رضیہ بنت التمش کی شان میں یہ نظم ہوگی اس کے علاوہ اور دوسری شہادت کا ذکر نہ تو شیرانی مرحوم نے کیا ہے اور نہ مؤلف نے۔ راقم السطور کے خیال میں "صفوۃ الدین"، "زبدۃ النساء"۔ "کریمۃ النساء" اور "رضیۂ دین" صرف القاب و آداب ہیں اور شہزادی کا اصل نام مریم ہے جیسا کہ اسی نظم میں آتا ہے :

موجود شد از تو جود و احساں — چونانکہ مسیح شد ز مریم

میرے خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اسی معزز خاتون کو ایک اور نظم میں خطاب کیا گیا ہے جس کا عنوان "یمدح السلطان الخواتین صفوۃ الدین مریم گوید" (؟) ہے۔ اس نظم کا مطلع حسب ذیل ہے :

اے نہاں گشتہ در بزرگی خویش — وز بزرگی ز آسماں شدہ بیش

اور ایک شعر جس سے اس معزز خاتون کا نام معلوم ہوتا ہے وہ بھی سن لیجئے :

شاد باش اے بمعجزاتِ کرم — مریمے از ہزار عیسی بیش

اس نظم میں رضیۃ الدین، کریمۃ النساء یا زبدۃ النساء کے الفاظ نہیں آتے ہیں اور یہ نظم مسلمہ طور پر انوری کی کہی جا سکتی ہے اس لئے کہ جن نظموں کی نسبت تاج ریزہ کی طرف کی جاتی ہے ان میں یہ داخل نہیں ہے۔ اب یہ بات یقین کی حد تک پہنچ جاتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ دونوں نظمیں کسی سلجوقی خاتون مریم کی مدح میں ہیں جس کی توصیف میں شاعر نے کبھی " رضیۃ الدین " اور کریمۃ النساء کے القاب بھی نظم میں پرو دیئے ہیں ان میں سے ظاہر ہے کہ اصل خطاب تو ایک ہی ہوگا باقی الفاظ اختلافِ نسخ سے زیادہ نہیں ہیں۔ مؤلف نے بظاہر کماحقہ تأمل سے کام نہیں لیا اور نہ دوسری نظم کے متعلق غور کیا ورنہ زیر بحث نظم کی بابت ان کا رجحان تاج ریزہ کے حق میں نہ ہوتا میرے پیش نظر جو نسخے رہے ہیں وہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں (شمارہ : ۵۰۴ و ۵۱۴ ذخیرۂ سوسائٹی)

امیر فخر الدین عمید سنامی جس کو عمید تولکی بھی کہتے ہیں اس کے متعلق مؤلف نے تحریر فرمایا ہے:

"ملا عبدالقادر بدایونی نے سلطان ناصر الدین محمود کے عہد میں امیر فخر الدین عمید کا تعارف ایک شاعر کی حیثیت سے کرایا ہے اور سلطان کی شان میں اس کا ایک قصیدہ نقل کرکے اس کو بھی اُس کے مدح خوانوں میں شمار کیا ہے۔" (ص ۱۹۶)

میں اولاً یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں عمید کا جو تعارف کرایا ہے اس کی حیثیت کیا ہے اس تعارف کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے منتخب التواریخ کا سیاق و سباق پیش نظر ہو تو آپ دیکھیں گے کہ بدایونی کے سلطان ناصر الدین محمود بن التمش کی وفات کا ذکر کرنے کے بعد شمس دبیر کے متعلق لکھا ہے کہ عہد ناصری کا شاعر تھا لیکن انہوں نے سلطان ناصر الدین محمود کے دربار سے اس کے روابط پر مطلق روشنی نہیں ڈالی ہے اور اپنی اختصار پسندی کی بناء پر گویا بطریقِ طفرہ یہ بیان کرنا شروع کر دیا ہے کہ عہد بلبنی میں شمس دبیر سلطان ناصر الدین محمود بغرا خان سلطان غیاث الدین بلبن کی ملازمت میں مملکت بنگالہ و کامرود کا منشی دبیر بنا دیا گیا ساتھ ہی ملا صاحب نے شمس دبیر کا ایک قصیدہ درج فرمایا ہے جس کی ردیف "خام" ہے اس قصیدہ کے منتخب اشعار کو ختم کرتے ہی غیر متوقع طور پر عمید سنامی کے قصیدہ کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے:

"و ملک الملوک (؟) و الکلام امیر فخر الدین عمید تونکی (؟) می فرماید در قصیدہ کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطلعش اینست : چو بر دارد نگارم چنگ بندد زخمہ بر ناخن ـــ الخ

(منتخب التواریخ ج ۱ ص ۹۶ کلکتہ)

قصیدہ کے منتخب ابیات نقل کرنے کے بعد جیسے ملا صاحب کا جی چاہا کہ اس کے اور پسندیدہ قصائد بھی نقل فرمادیں چنانچہ انھوں نے متعدد قصائد حمد، نعت، مدائح وحبسیات نقل کر دیئے ہیں اب یہ بیان کرنا شاید ضروری نہ ہو کہ عمید کا ذکر ضمناً آگیا ہے۔

فی الحال مجھے ردیف "ناخن" والے قصیدہ کی بابت یہ کہنا ہے کہ ملا صاحب نے خود کسی قسم کی صراحت نہیں کی ہے کہ عمید کا یہ قصیدہ سلطان ناصر الدین پسر التمش کی مدح میں ہے۔ اور نہ سیاقِ کلام کی دلالت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ البتہ اس قصیدہ میں "شہنشہ ناصر دنیا و دین محمود" کو خطاب کیا گیا ہے اور یہیں سے جناب مؤلف یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ قصیدہ سلطان ناصر الدین محمود کی شان میں کہا گیا ہے لیکن میرے خیال میں اگر یہ کہا جائے کہ اس قصیدہ کا مخاطب ناصر الدین محمود بغرا خاں ہے تو اس کا قوی قرینہ موجود ہے۔ کہ ملا عبدالقادر نے جس ترتیب سے شمس دبیر کے قصیدہ کے بعد عمید تولکی کا قصیدہ نقل کیا ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ شمس دبیر اور عمید دونوں کے قصیدوں کا مخاطب سلطان ناصر الدین محمود کے بجائے بلبن کا فرزند بغرا خاں ہو۔ یہ بات قابل تسلیم نہیں کہ شمس دبیر اور عمید دونوں کے قصیدے علی الترتیب کسی قریبی مناسبت کے بغیر نقل کر دئے گئے ہوں۔ اور ان دونوں میں اگر کوئی مناسبت ہو سکتی ہے تو یہی کہ دونوں کا مخاطب ایک ہو۔ ورنہ اس کے کیا معنی کہ شمس دبیر کے قصیدہ کا مخاطب تو ناصر الدین بغرا خاں ہو اور عمید کے قصیدہ کا مخاطب سلطان ناصر الدین بن التمش کو قرار دیا جائے۔ ملا صاحب کے بیان سے واضح طور پر مترشح ہوتا ہو کہ خود ان کے خیال میں عمید کا ذکر برمحل نہیں آیا چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:۔

"چوں ذکر عمید کہ مستوفی جمیع ممالک ہندوستان بود درمیان آمد چیزے از اشعار او را کہ عزیز الوجود است ایراد نمودن ضروری بود"

(منتخب التواریخ ج ۱ ص ۹۹ کلکتہ)

"درمیان آمد" کے الفاظ پر غور فرمایئے میرے نزدیک تو ان لفظوں کا یہی مطلب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوا کہ عمید کا ذکر اصل موقع و محل میں نہیں کیا گیا ہے لیکن شمس دبیر کے قصیدہ کی مناسبت سے جب اس کا قصیدہ بھی نقل کر دیا گیا تو اسی جگہ دوسرے قصائد بھی درج کر دیئے گئے۔
بہر حال ملا عبد القادر کے سیاق و سباق کو دیکھتے ہوئے میرا خیال یہ ہے کہ عمید کا زیر بحث قصیدہ ناصر الدین محمود بغراخاں کی شان میں ہے۔ اور ملا عبد القادر کے متعلق یہ کہنا کہ انھوں نے عمید کو سلطان ناصر الدین محمود کے مدح خوانوں میں شمار کیا ہے ہرگز صحیح نہیں۔

عمید کی تاریخ ولادت اس کے ایک شعر سے نکلتی ہے۔ بہ قول مؤلف عرفات العاشقین میں اسی شعر سے تاریخ ولادت ۶۵۵ھ نکالی گئی ہے اور مجمع الفصحاء، گل رعنا و ریاض الشعراء میں ولادت کی یہی تاریخ بیان کی گئی ہے لیکن فاضل مؤلف نے ان تمام مآخذوں کی بتائی ہوئی تاریخ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے جس شعر سے عرفات العاشقین میں ۶۵۵ھ تاریخ نکالی گئی ہے اسی سے آپ ۶۰۰ھ تاریخ نکالتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ انھوں نے اس شعر کے مفہوم پر غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی اور منتخب التواریخ کے انگریز مترجم (Ranking) کی نکالی ہوئی تاریخ کو بدون تامل قبول کر لیا ہے۔ بہر حال پہلے عمید کے چند اشعار سن لیجئے پھر اس بحث پر غور فرمائیے:

یارب اگرچہ پیش ازیں بود مرا دل و جگر — خستۂ دل پرچگل لبستۂ گل رخ یمک
در سر نون و دال عمر ازپس خا و نون دہا — شکر کہ مرغ ہمتم رست بجہد زیں شرک
دست فشاندہ ام بریں، پائے کشادہ ام ازاں — جستہ زہر دو دامگہ چوں گل خارۂ از فلک

بحث کا تعلق دوسرے شعر سے ہے جس سے تاریخ ولادت نکلتی ہے۔ مؤلف کے الفاظ یہ ہیں:

"دوسرے شعر میں ن اور د کے تو ہ ۵ ۔ اور خ ن ہ کے ۶۵۵ ہوئے شعر میں "پس خا و نون دہا" ہے یعنی ۶۵۵ سے ۵۴ کو گھٹا لیا جائے پھر تعجب ہے کہ عرفات العاشقین نے ۶۵۵ھ کیسے تاریخ ولادت بتائی ہے۔ ۶۰۱ھ ہونی چاہیئے۔" (ص ۲۰۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جناب مؤلف نے اپنے خیال کے بموجب تاریخ نکالنے میں کامیابی تو حاصل کرلی ہے لیکن اس تاریخ سے دوسرے مصرعہ کے مفہوم کو کیا تعلق باقی رہتا ہے اور شعر کا اصل مطلب کیا ہے اس سے انھوں نے کچھ تعرض نہیں کیا۔ میرے نزدیک شعر کا صحیح مفہوم مقدم ہے تاریخ خواہ کچھ بھی نکلے۔ اور وہی تاریخ صحیح ہوگی جس سے شعر کا مفہوم خبط نہ ہوگیا ہو۔ مفہوم سیدھا سادہ یہ ہے کہ ۶۵۵ھ کے بعد اپنی زندگی کے ۴۵ دیں سال میں، شکر ہے، کہ ہمارے مرغِ ہمت کو ہوا و ہوس کے دام سے رستگاری مل گئی۔ شاعر اپنی عمر کے گذشتہ سنین کا شمار ۶۵۵ھ سے کر رہا ہے جیسا کہ " ازپس " کے لفظ سے واضح ہے۔ لہذا ۶۵۵ اور ۴۵ دونوں عددوں کو جمع کیجئے تو نظم کی تاریخ ۷۰۰ھ ہاتھ آئے گی جب کہ شاعر کی زندگی کا ۴۵ واں سال شروع ہوچکا تھا۔ پس عرفات العاشقین کے مؤلف نے جو تاریخ نکالی ہے وہی صحیح ہے، اس شعر سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں، شاعر کی تاریخ ولادت ۶۵۵ھ، نظم کی تاریخ ۷۰۰ھ اور شاعر کی عمر۔ یہ بات بھی ثابت ہوجاتی ہے کہ ۷۰۰ھ کے اوائل میں شاعر یقیناً زندہ تھا۔ منتخب التواریخ کے مترجم Ranking اور اس کی تقلید میں جناب مؤلف نے لفظ " ازپس " سے عمل تفریق کی طرف اشارہ کیسے سمجھ لیا میری فہم سے بالا ہے۔ ۶۵۵ سے ۴۵ کو گھٹا لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ شعر مہمل ہے۔ سخت تعجب ہے کہ عرفات العاشقین، ریاض الشعراء، گل رعنا اور مجمع الفصحا کی بتائی ہوئی تاریخ کو انھوں نے کیسے گوارا کرلیا کہ اس آسانی سے رد کردیں۔ بظاہر یہ دعویٰ کہ عمید نے سلطان ناصر الدین محمود کی شان میں ایک مدحیہ قصیدہ پیش کیا (ص ۲۰۴) اسی کو ثابت کرنے کے لئے مؤلف نے عمید کی تاریخ ولادت سے متعلق رین کنگ کے غلط خیال کی تقلید کی۔ منتخب التواریخ جس کے بیان کے پیشِ نظر مؤلف نے ایسا دعویٰ کیا ہے سطور بالا میں اسی کتاب کے سیاق و سباق کے حوالہ سے میں واضح کرچکا ہوں کہ سلطان ناصر الدین محمود کو عمید کا ممدوح و مخاطب قرار دینا صحیح نہیں۔ اور ملا عبدالقادر کا مقصد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُس سے قطعاً جداگانہ ہے جو مؤلف نے سمجھا ہے۔

عمید کی عمر نو سال کی تھی کہ سلطان ناصرالدین محمود کی وفات واقع ہوئی وہ غیاث الدین بلبن کے عہد میں سن شعور کو پہنچا۔ ملا عبدالقادر نے اس کے جتنے قصیدے نقل کئے ہیں اُن میں سے ایک قصیدہ بھی غیاث الدین بلبن سے براہ راست تعلق نہیں رکھتا۔ لیکن مؤلف نے اس کے دو قصیدوں کے متعلق پوری شرح و بسط کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان کا مخاطب غیاث الدین بلبن تھا (ص ۲۰۴-) ان میں سے ایک قصیدہ کے دو شعر یہاں درج ہیں:-

شاہ جہانکشائے نصیرالحق آنکہ ہست ۔۔۔ چوں من بہ دور دولت ایں شہریار ہند

والا محمد بلبن کز کمند قہر ۔۔۔ بر سرکشاں ہند بگہ کارزار ہند

دوسرے قصیدہ میں اس طرح خطاب کیا گیا ہے:

محیط فیض نصیر الحق آنکہ بکشادند ۔۔۔ زگرد سفرہ اکرامش انس و جاں روزہ

قضا طلیعہ محمد کہ بند نیزہ او ۔۔۔ بچون خصم کشاد از سر سنان روزہ

مختلف تذکرہ نگاروں کا جو بیان مؤلف نے نقل کیا ہے اس کی روشنی میں شہزادہ محمد پسر سلطان غیاث الدین بلبن کے دربار سے عمید کا وابستہ رہنا ثابت ہوتا ہے۔ اور دونوں قصیدوں کے جو ابیات درج ہوئے ان سے تذکرہ نگاروں کے بیان کی تصدیق و توثیق ہوتی ہے۔ ایک قصیدہ میں شہزادہ کو نصیرالحق محمد بلبن اور دوسرے میں نصیرالحق محمد کہا گیا ہے۔ شہزادہ محمد، سلطان غیاث الدین کا فرزند اکبر تھا وہ بلند شخصیت کا مالک تھا بلبن نے اسے قاآن ملک کا خطاب دیا تھا، مغلوں سے جنگ کرتا ہوا ۶۸۳ھ میں شہید ہوا۔ اور خان شہید کے لقب سے اس کی یاد باقی رہ گئی۔ پہلے قصیدہ میں محمد بلبن بہ اضافت گویا عربی طریقہ کے مطابق محمد بن بلبن ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ دونوں قصیدے قاآن ملک محمد سے تعلق رکھتے ہیں۔ مؤلف نے محمد بلبن کو بلبن قرار دیا جو صریحاً غلط ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلبن کو محمد بلبن کہنے کے متعلق انھوں نے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا ہے۔ نصیر الحق کو انھوں نے بلبن کی صفت قرار دی ہے پھر اپنی بے اطمینانی کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے: "مگر تعجب ہوتا ہے کہ شاعر نے بلبن کے لئے غیاث الدین کا لقب کیوں نہیں استعمال کیا" (ص ۲۰۵)

عمید اور سلطان بلبن کے ذیلی عنوان کے ماتحت انھوں نے جو تحقیق پیش فرمائی ہے وہ ایک ہی نقطہ کے گرد دائر و سائر رہتی ہے۔ یعنی ان کی پوری تحقیق اس خاص مسئلہ میں محمد بلبن کی اضافت سے لاعلمی کے گرد گردش کرتی ہے۔ چنانچہ عرفات العاشقین کی عبارت نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

"عرفات العاشقین میں معلوم نہیں قاآن ملک سلطان محمد بلبن ایک ہی ساتھ کیوں لکھ دیا گیا ہے۔ قاآن ملک محمد سلطان تو شہزادہ کا نام تھا اور بلبن اس کا باپ تھا" (ص ۲۰۵)

عرفات العاشقین کے علاوہ ریاض الشعراء اور مجمع الفصحاء میں بھی سلطان محمد بلبن بہ اضافت ہی ہے۔ صرف گل رعنا کے مؤلف نے عربی طریقہ کو اختیار کیا ہے۔ فاضل مؤلف کو شاید معلوم ہو کہ فارسی میں ولدیت کی تصریح عربی قاعدہ کے مطابق ضروری نہیں۔ فارسی کے معتبر اور قدیم مصنفین تک عموماً اضافت کے ذریعہ ابنیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ مسعود سعد سلمان مشہور شاعر ہے۔ کیا مؤلف کے خیال میں یہ مجموعۂ اسماء ایک ہی فرد کا نام ہے اسی طرح فخر مدبر اپنا نام محمد منصور سعید ابوالفرج (الخ) بتاتا ہے تو کیا مؤلف کے نزدیک یہ سلسلہ دراز تنہا فخر مدبر کا نام ہوگا۔ میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ فارسی کے مستند مصنفین مثلاً بیہقی، نظامی عروضی، منہاج، عوفی اور عطار وغیرہ عربی قاعدہ کے مطابق لفظ ابن کا استعمال کرنے کے بجائے اکثر و بیشتر اسی اضافت سے کام لیتے ہیں۔ عام طور پر بوعلی سینا، محمود سبکتگین لکھتے بولتے ہیں جو غلط نہیں بلکہ قطعاً صحیح طریقہ تعبیر ہے۔ محمد خان بن عبدالوہاب قزوینی کی تحریروں میں اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔

بہرحال محمد بلبن کے متعلق مؤلف کو جس قسم کی غلط فہمی ہوئی ہے وہ دوبارہ حسن سجزی کے ذکر میں نظر آتی ہے۔ فرماتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ان کا اصل نام نجم الدین حسن تھا بعض تذکرہ نویسوں نے ان کا نام نجم الدین بن علا سجزی لکھا ہے علا ان کے والد بزرگوار کا نام تھا اس لئے انھوں نے شاید والد کے اسم گرامی کی مناسبت ہی سے فوائد الفواد کے دیباچہ میں اپنے کو حسن علا سجزی لکھا ہے" (ص ۳۱۹)

اگر مؤلف کو اس اضافت سے واقفیت ہوتی تو یہ سوال پیدا ہی نہ ہوتا کہ حسن سجزی نے دیباچہ میں اپنا نام حسن علا سجزی کیوں لکھا اور حسن بن علا سجزی کیوں نہیں لکھا۔ نیز "مناسبت" کے پردہ میں انھوں نے جو تاویل فرمانے کی کوشش کی ہے اس کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

یہ خفیف سی لغزش اپنے نتائج کے اعتبار سے نہایت سنگین ہے، میں جناب مؤلف کو باور کرانا چاہتا ہوں کہ محمد بلبن کے معنی عمید کے قصیدہ میں وہی ہیں جو محمد بن بلبن کے ہو سکتے ہیں۔

مؤلف نے اپنے دعوی کے ثبوت میں ایک اور قرینہ پیش کیا ہے جو حسب ذیل ہے:

"یہ یقین کرنے میں تامل ہوتا ہے کہ ستر اسی برس کی عمر میں اس نے ایک نوجوان شہزادہ کے دربار کی ناصیہ سائی کی ہو۔ شہزادہ محمد سلطان کا علمی دربار ملتان میں ۶۷۸ھ سے ۶۸۳ھ تک قائم رہا اگر ۶۷۸ھ سے پہلے عمید اس کے یہاں پہنچا تو بھی اس کی عمر ستر سے زیادہ تھی اس عمر میں ایک نوجوان شہزادہ کی ندیمی بظاہر قابل قبول نہیں معلوم ہوتی۔" (ص ۲۰۶)

اس تحریر کی بنیاد عمید کی تاریخ ولادت پر قائم ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ولادت کی وہی تاریخ صحیح ہے جو Ranking نے نکالی ہے اور جس پر مؤلف کو اصرار ہے تو بھی اس کہن سالگی میں عمید کا ایک نوجوان شہزادہ کے دربار سے جو علم و ادب کا زبردست سرپرست سمجھا جاتا تھا، وابستہ ہونا قابل قبول کیوں نہیں ہو سکتا حالانکہ اسی نوجوان شہزادہ کے متعلق مؤلف کا بیان ہے کہ اس نے سعدی شیرازی کو ان کے عہدِ پیری میں ملتان تشریف لانے کی دعوت بہ اصرار دی تھی (ص ۴۲۵)، وہ تو شیراز سے ملتان کی بعید مسافت تھی کہ پیری آڑے آئی ورنہ کیا عجب تھا کہ کہن سال سعدی کو بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس نوجوان کا دربارِ علم و ادب ملتان کھینچ لاتا۔ اس کے علاوہ سلطان غیاث الدین بلبن کے حضور میں شعراء کی وہ قدر و منزلت کہاں تھی جو ان کو قاآن ملک محمد کے دربار میں میسر آسکتی تھی۔ خود مؤلف کے الفاظ ہیں:

"بلبن کو علماء و مشائخ سے کچھ ایسی دل چسپی رہی کہ وہ شعراء کی طرف مائل نہ ہو سکا۔۔۔۔۔۔ وہ ذوقِ شعری سے کچھ ایسا عاری تھا کہ علماء کی طرح شعراء اس کے دربار میں رسوخ حاصل نہ کر سکے مگر اس زمانہ کے شعراء کو بلبن کے شہزادوں اور امراء کے درباروں میں ایسا ملجا و ماویٰ مل گیا تھا کہ ان کو بلبن کے عدمِ التفات کا احساس مطلق نہ ہوا۔" (ص ۲۴۴ - ۲۴۵)

مؤلف کی تحقیق میں جب بلبن کا یہ حال تھا تو اس کے بعد قاآن ملک محمد کے دربار سے عمید کا وابستہ ہونا خود بخود یقین کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔ گرچہ شاعر کی زندگی اس وقت ستر اسی کے لگ بھگ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اس کی صحیح تاریخ ولادت معلوم کر لینے کے بعد تو معمّر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (باقی)

العلم والعلماء

یہ جلیل القدر امامِ حدیث علامہ ابن عبد البر کی شہرۂ آفاق کتاب "جامع بیان العلم و فضلہ" کا نہایت صاف اور شگفتہ ترجمہ ہے۔ مترجم کتاب مولانا عبد الرزاق صاحب ملیح آبادی اس دور کے بے مثال ادیب اور مترجم سمجھے جاتے ہیں موصوف نے یہ ترجمہ حضرت مولانا ابو الکلام آزاد کے ارشاد کی تعمیل میں کیا تھا جو اب ندوۃ المصنفین سے شائع کیا گیا ہے۔ علم اور فضیلتِ علم کے بیان، اہلِ علم کی عظمت اور ان کی ذمہ داریوں کی تفصیل پر خالص محدثانہ نقطۂ نظر سے آج تک کوئی کتاب اس مرتبہ کی شائع نہیں ہوئی، اس متبرک کتاب کی ایک ایک سطر سونے کے پانی سے لکھنے کے لائق ہے، ایک زبردست محدث کی کتاب اور ملیح آبادی صاحب کا ترجمہ، موعظتوں اور نصیحتوں کے اس عظیم الشان دفتر کو ایک دفعہ ضرور پڑھیے۔ صفحات ۳۰۰، بڑی تقطیع۔ قیمت چار روپے آٹھ آنے۔ مجلد پانچ روپے آٹھ آنے۔

© rasailojaraid.com